پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی قسط ٦

امارتِ اسلامیہ افغانستان........مشاہدات و تاثرات

کابل میں ایک تعزیتی تقریب کا مشاہدہ:

محاذ سے واپسی پر راستے میں مجاہدین کے ایک مرکز میں ٹھنڈا پہاڑی پانی پیا۔ نماز ظہر قصر ادا کی اور حرکتہ المجاہدین کے دفتر میں واپس آ گئے دستر خوان پر کھانا لگا ہوا تھا مگر ہم نے کھانے میں شریک ہونے کی بجائے وہ تربوز نوش کیا جو حنظلہ محمود کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانے کے لئے خریدا تھا مگر اس کے معسکری معمولات کی وجہ سے موقع نہ مل سکا اور اب دو دن سے اس کا وزن اٹھائے پھر رہے تھے۔

دفتر میں مہمانوں کی کثرت تھی اس لئے تربوز سے فارغ ہو کر جناب خواجہ عبدالرحیم صدیقی صاحب خواجہ اختر محمود صاحب اور ابو معاویہ بشیر صاحب سمیت ہم چار افراد آرام و سکون کے لئے قریبی جامع مسجد چوراہا یعقوب میں آ گئے، خلاف معمول لوگوں کو مسجد میں تقریب کی صورت میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہم چاروں بھی ایک طرف پیچھے ہو کر بیٹھ گئے، مسجد کی مشرقی دیوار کے ساتھ قاریوں کی ایک جماعت قبلہ رخ بیٹھی تھی اور ان کے بائیں ہاتھ یعنی جنوبی دیوار کے ساتھ کچھ افراد صف کی صورت میں گدوں پر بیٹھے ہوئے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ میت کے ورثا ہیں، ان کے بائیں ہاتھ اور سامنے کی طرف اسی طرح ترتیب کے ساتھ صف بنائے کچھ لوگ بیٹھے تھے، مسجد کے دروازے پر دو رکنی مجلس استقبالیہ بیٹھی تھی جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے لگتا تو اپنا دایاں ہاتھ دل پر رکھ لیتا اور استقبالی فرد بھی اپنا اپنا دایاں ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر کھڑے ہو جاتے جب آنے والا مسجد میں داخل ہو جاتا تو استقبال والے بیٹھ جاتے اور مسجد میں داخل ہونے والا بیٹھنے تک اسی طرح اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر چلتا رہتا ایک قاری صاحب قرآن مجید سے کچھ آیات تلاوت فرماتے اس کے بعد اونچی آواز ہی میں دعا فرماتے: **اللھم اغفر للمسلمین والمسلمات**

(اے اللہ! مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی بخشش فرما) اس کے ساتھ ہی جو افراد جانا چاہتے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے اور قطار میں قاری صاحبان کے آگے سے گزرتے ہوئے ورثا کی صف کے آغاز پر آ جاتے اور تمام ورثا اٹھ کھڑے ہوتے گزرنے والے اور ورثا دونوں اپنے اپنے دائیں ہاتھ دل پر رکھ لیتے جب گزرنے والے گزر جاتے تو ورثا دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے اس کے بعد دوسرے قاری صاحب اسی طرح تلاوت اور دعا فرماتے اور جانے والے اسی طرح رخصت ہوتے تعزیتی افراد کی آمد و رفت کا سلسلہ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا آخری قاری صاحب نے قرآن مجید کی آخری تین سورتیں تلاوت کیں اور مذکورہ بالا دعائیہ کلمات ادا کرنے کے بعد انا للہ وانا الیہ راجعون (یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) پڑھا اس کے ساتھ ہی تمام حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے اور روایتی طریقے کے

مطابق ورثا کے آگے سے گزرتے ہوئے مسجد سے باہر چلے گئے اور ان کے بعد ورثا بھی اپنے اپنے گدے اٹھا کر وہاں سے چل دئیے۔

گرانی یا ارزانی؟

تعزیتی تقریب کے بعد مسجد میں عصر تک آرام کیا اور اس کے بعد قریب ہی واقع ہرات ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے آ گئے تین آدمیوں کے کھانے کا بل پچپن روپے پاکستانی بنا سالن چھوٹے گوشت کے کوفتوں کا تھا اور نہایت لذیذ تھا، سالن، سلاد اور دہی تینوں چیزیں وافر مقدار میں تھیں، کھانے کے بعد یہ حسرت رہی کہ کاش کھانے میں کسی چوتھے ساتھی کو بھی شریک کر لیتے تاکہ بچا ہوا سالن ضائع نہ ہوتا اس کے بعد جب بھی کھانے کی ضرورت پڑی، اس حسرت کے پیدا ہونے کا موقع نہیں چھوڑا یعنی اس کے بعد کھانے میں تین کی بجائے چار آدمی شریک ہوتے رہے۔

اگرچہ افغانستان محدود وسائل اور طویل جنگ کی وجہ سے شدید ترین معاشی بحران کا شکار ہے مگر پاکستان کے مقابلے میں یہاں اب بھی ارزانی ہے، مثلاً دودھ سولہ روپے کی بجائے دس روپے لٹر، کون آئسکریم دو روپے پچاس پیسے کی، بوتل آٹھ روپے کی بجائے چھے روپے کی، آم کے ملک شیک کا بڑا گلاس مع بادام پندرہ روپے کا، بڑے سائز کی روٹی دو روپے پچاس پیسے میں (البتہ گندم مہنگی ہے یعنی بارہ روپے کلو ہے) چھوٹا گوشت بعض شہروں میں ایک سو دس روپے کی بجائے پچاس روپے اور بعض شہروں میں پینسٹھ روپے کلو، پھل سستا ہے پاکستانی تربوز بھی پانچ روپے کلو مل جاتا ہے، بجلی صرف پچیس پیسے فی یونٹ ہے۔

پاکستان اور افغانستان دونوں پٹرول باہر سے خریدتے ہیں پاکستان میں سپر پٹرول جس میں کم از کم نصف مقدار مٹی کے تیل کی ہوتی ہے۔ دس کی بجائے آٹھ پوائنٹ کا لٹر تقریباً ستائیں روپے میں ملتا ہے۔ جبکہ افغانستان میں خالص پیٹرول کے دس پوائنٹ کا لٹر بڑے شہروں میں تیرہ روپے اور دیہاتی اور دور دراز پہاڑی علاقوں میں پندرہ روپے میں عام دستیاب ہے، گاڑیوں کی قیمت پاکستان کے مقابلے میں بیس یا پچیس فیصد یعنی جو گاڑی پاکستان میں نو دس لاکھ کی ہے وہ افغانستان میں تقریباً دو یا زیادہ سے زیادہ اڑھائی لاکھ میں عام مل جاتی ہے۔ نیز روز مرہ استعمال کی پاکستانی اشیاء تقریباً پاکستانی نرخوں پر عام دستیاب ہیں اور دیگر ممالک کی اشیاء بھی سستے اور مناسب داموں میں مل جاتی ہیں۔

ملک کی معاشی صورت حال:

افغانستان ایک غریب ملک شمار ہوتا ہے اس کے زر مبادلہ کا انحصار خشک میوہ جات اون اور کھالوں پر رہا، طویل جنگ کی وجہ سے صنعتی ادارے تباہ ہو چکے ہیں اور ملک کا اکثر حصہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے مگر یہ دنیا کا واحد ملک ہے جو کسی ملک یا بین الاقوامی کسی یہودی ادارے کا مقروض نہیں، پیداواری یونٹ بحال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، زراعت میں محدود پیمانے پر تجربات شروع ہو چکے ہیں۔ ملک کے مختلف علاقوں میں تیل اور گیس قیمتی پتھر (جواہرات) سونا، لوہا، تانبا، نمک، یورینیم اور بیریلیم

وغیرہ کے ذخائر کی نشاندہی کئی سال پہلے ہو چکی ہے۔ اگرچہ اہلِ افغانستان ابھی تک ان ذخائر سے فائدہ نہیں اٹھا سکے مگر روس اپنے دورِ تسلط میں خوب ہاتھ رنگ چکا ہے، تباہ شدہ گاڑیوں وغیرہ کے لوہے کی کافی مقدار پورے ملک میں بکھری ہوئی ہے، اسلحہ شمار سے زیادہ ہے صرف اسی کی کچھ مقدار فروخت کر دینے سے یہ ملک خوشحال ہو سکتا ہے، مگر جہادی دور اندیشی یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہیں نیز یہ کہ یہ وسط ایشیاء کی ریاستوں کی بہترین تجارتی گزرگاہ ہے مگر ان تمام وسائل کا بھرپور اور مناسب استعمال اسی وقت ہو سکتا ہے جب موجودہ جنگی صورت حال سے اطمینان و سکون حاصل ہو اور شمالی اتحاد کا اندرونی کانٹا نکل جائے تاہم کچھ نہ کچھ پیش رفت ہو رہی ہے مگر اس وقت امارت اسلامیہ کی معیشت کا انحصار راہداری کی آمدنی اور ملکی و غیر ملکی اہل اسلام کے عطیات پر ہے۔ اس محدود آمدنی پر پورے ملک کے نظام کا چلنا ان لوگوں کے لئے یقیناً تعجب انگیز ہو گا جن کے وزیرِ اعظم اور وزیرِ اعلیٰ کی آمد پر قومی خزانے کے لاکھوں روپے صرف استقبالی جھنڈیوں پر اڑ جاتے ہوں۔ مگر اُن کا افراد کے لئے قطعاً حیرت کا باعث نہیں جنہوں نے خود اپنی آنکھوں سے یہاں کے گورنروں، وزیروں، اعلیٰ انتظامی عہدہ داروں کو صبح سوکھی روٹی کو قہوہ میں اور رات کو شوربے میں بھگو کر کھاتے دیکھا ہو نہ ان کا لباس امتیازی ہے نہ ان کی آمد پر ہٹو بچو کی صدا بلند ہوتی ہے نماز پڑھ کر فارغ ہوں تو واقفانِ حال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام فلاں صوبے کا گورنر تھا اور آپ کے دائیں کھڑا ہوا فلاں مرکزی وزیر ہے اور وہ اپنی جوتی خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر جانے والا صوبائی وزیر یا چیف سیکرٹری ہے، سرکاری کارندوں کی فوج ظفر موج نہیں، وزارتی اور انتظامی ذمہ دار تنخواہیں نہیں وظیفہ لیتے ہیں اور جن کے گھریلو اخراجات کا کوئی اور ذریعہ ہو جاتا ہے وہ محدود ہی کیوں نہ ہو وہ اس وظیفے سے بھی بے نیاز ہیں جہاں تنخواہ نہ لینے کے دعووں کی آڑ میں سرکاری رہائش گاہوں اور دفاتر کی آرائش و زیبائش پر قومی خزانے کے کروڑوں روپے ضائع نہیں کئے جاتے بلکہ ہر ذمہ دار ایک ایک پائی کا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ جانتا ہے۔

دارالارشاد میں درس قرآن مجید:

ہرات ہوٹل سے کھانا کھا کر نکلے تو خواجہ عبدالرحیم صدیقی صاحب، خواجہ اختر محمود صاحب، رب نواز بھٹہ صاحب سراج احمد صاحب اور چودھری ظفر علی صاحب سمیت ہم چھے افراد چہل قدمی کرتے ہوئے دارالارشاد کی طرف چل پڑے، دارالارشاد حرکتہ الجہاد الاسلامی کے کابل شہر کے دفتر کا نام ہے جو شہرِ نو میں چہار راہے صدارت پر صدارتِ عظمیٰ کے سامنے واقع ہے اس کا نام اس تنظیم کے بانی اور اوّلین امیر مولانا ارشاد احمد رحمہ اللہ کے نام پر ہے جنہوں نے دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان میں روسی فوجوں کے داخل ہوتے ہی جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے اپنے دو ساتھیوں مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب اور مولانا عبدالصمد سیال صاحب کے ساتھ افغانستان کا رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے وہیں ۱۹۸۵ء میں رتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

(اللهم اغفرله، وارحمه، واعف عنه، وارفع درجاته، وأدخله في جنّت

الفردوس مع اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

راستے میں نمازِ مغرب کی اذان ہو گئی شاہراہ سے ہٹ کر گلی میں ایک خوبصورت مسجد میں نماز ادا کی، نماز کے بعد متعدد بچے، جوان اور بوڑھے امام صاحب کے سامنے بیٹھ گئے نماز اور اس کے احکام و مسائل کی چھوٹی سائز کی کتابیں ان کے ہاتھ میں تھیں بالغوں کی دینی تعلیم کے اس مسجدی سلسلے سے آثار ظاہر ہو رہے تھے کہ ان شاء اللہ نہ صرف اہلِ افغانستان صحیح عقائد سے باخبر ہو جائیں گے بلکہ ان کی نماز بھی جس میں کچھ ٹھہراؤ کی کیفیت دکھائی دینے لگی ہے جلد ہی پورے قومے اور جلسے والی نماز ہو جائے گی۔

دارالارشاد میں ناظمِ دفتر مولانا مطیع الرحمن صاحب سے ملاقات ہوئی یہ نوجوان ہجوم میں اس طرح گھرا بیٹھا تھا جس طرح حکیم حاذق مریضوں میں یا مخلص سماجی کارکن حاجت مندوں میں ہوتا ہے بائیں ہاتھ میں رف پیڈ اور دائیں ہاتھ میں بال پوائنٹ تھا باری باری ہر ایک کی بات توجہ سے سنتے تھے مختصر زبانی ہدایات دے دیتے یا حسب ضرورت رقعہ دے دیتے اور جنھوں نے رات دفتر میں قیام کرنا تھا انہیں ان کی خواب گاہ بتاتے جاتے تھے اور جنھوں نے سفر کرنا تھا انہیں سفر کے لئے مناسب وقت اور ذریعے سے آگاہ کرتے جاتے تھے، ہم کیونکہ سب سے آخر میں پہنچے تھے اس لئے ہماری باری سب سے آخر میں آئی مگر ان کی مستعدی کی وجہ سے انتظار کی کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہی، ہماری طرف متوجہ ہوئے ہم نے اُن سے جناب امیر مرکزیہ سے ٹیلیفون پر رابطہ کرا دینے کی درخواست کی، انہوں نے ہمیں ایک کمرے میں احترام و اکرام سے بٹھایا کھانے کی دعوت دی کیونکہ ہم کھانا کھا کر آئے تھے اس لئے معذرت کر لی تاہم چائے بسکٹ سے تواضع فرمائی اور امیر صاحب سے رابطہ کیلئے متعلقہ کمرے میں تشریف لے گئے چند لمحات بعد بلا لیا۔ ٹیلی فون پر امیر صاحب سے ملاقات ہوئی، ہم نے صبح کابل یونیورسٹی جانے کا پروگرام بتایا اور تعارفی تحریر کی درخواست کی انہوں نے فرمایا کہ میں خود آپ کے ساتھ چلوں گا نیز یہ خوشخبری سنائی کہ برمی مجاہدین بھی تشریف لائے ہوئے ہیں جو معسکر سے ابھی دفتر میں پہنچنے والے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مولانا مطیع الرحمن صاحب کو کچھ ہدایات دیں اور انہوں نے ہم سے فرمایا کہ آپ کا قیام رات کو یہیں ہو گا اور صبح کی نماز کے بعد قرآن محل کے مدرس کا درسِ قرآن مجید ہو گا۔ اسی اثنا میں برمی مجاہدین تشریف لے آئے ملاقات ہوئی کیونکہ ہمارے اکثر ساتھی حرکتہ المجاہدین کے دفتر میں تھے اس لئے اُن سے رابطہ کرنا اور انہیں اپنے رات کے قیام اور صبح کے پروگرام سے آگاہ کرنا ضروری تھا، مولانا مطیع الرحمن صاحب نے دفتر کی گاڑی عنایت فرمائی ہم اُس پر حرکتہ المجاہدین کے دفتر سے ہو آئے اور تین مزید دوست عبدالستار صاحب، محمد طارق بھٹہ صاحب اور مشتاق احمد صاحب بھی صبح کے درس میں شرکت کے ارادے سے ہمارے ساتھ آ گئے، صبح کی نماز کے بعد قرآن محل کے مدرس نے سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، توحید پر ایمان کا ذریعہ یعنی نبوت اور انسان کی زندگی کے پہلے مقصد یعنی عبادت اور اس کے نتائج پر گفتگو کی۔

برمی مجاہدین :

برما کے علاقے ارکان میں عرصہ دراز تک اسلامی حکومت قائم رہی ۱۷۸۴ء میں جب برعظیم پاک وھند کے مسلمان حکمران غیروں کے سہارے کے بغیر خود اپنا وجود اقتدار برقرار رکھنے کے قابل نہ رہے تو بدھ مت برمی حکمرانوں نے ارکان پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی ان سے زمینیں چھین لی گئیں، ایک آبادی سے دوسری آبادی میں جانے کے لئے خصوصی اجازت نامہ لازمی قرار دے دیا گیا، حج، جمعہ، قربانی اور مساجد میں باجماعت نماز شعائر پر پابندی لگا دی گئی، پردہ جرم بن گیا، مسلمانوں سے بغیر معاوضہ و اجرت جبری مشقت لینا معمول بن گیا اور احتجاج کرنے والوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ۱۹۷۸ء سے ان کی بہت بڑی تعداد کی یہاں سے وقفہ وقفہ کے بعد ہجرت کا سلسلہ جاری ہے پانچ لاکھ سے زیادہ افراد بنگلادیش میں کسمپرسی کی حالت میں خیموں میں اور بعض بغیر خیموں کے کھلے آسمان نیچے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ عیسائی مشنریاں انسانی ہمدردی اور امداد و تعاون کی آڑ میں عیسائیت کا پرچار کر رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے کئی ہزار افراد سیلِ ارتداد کی نذر ہو چکے ہیں، اس صورت حال میں چند درد دل رکھنے والے اہلِ ایمان نے ایک طرف بدھ مت برمی ظالموں کے خلاف جہاد و قتال کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور دوسری طرف انہوں نے مہاجرین کی مالی اعانت اور ایمانی حفاظت کے لئے جمعیۃ خالد بن ولید الخیریہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کے تحت چالیس سے زیادہ ابتدائی مدارس بنگلادیش میں مہاجرین کے کیمپوں میں معہد الفاروق کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ کاکس بازار بنگلادیش میں اور ایک مدرسہ خالد بن ولید کے نام سے لانڈھی کراچی میں کام کر رہا ہے، کراچی (پاکستان) سے انکا ایک ماہنامہ "الرباط" کے نام سے شائع ہوتا ہے اس تنظیم کے امیر فاضل نوجوان مولانا عبدالقدوس مجاہد ہیں، جو جامعہ فاروقیہ کراچی کے فارغ التحصیل ہیں، علم گو اور عملی انسان ہیں جہادِ افغانستان میں روس کے خلاف قتال کرتے رہے ہیں اور روس کے نکلنے کے بعد برما کے مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ اور برمی ظالموں کے خلاف جہاد کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ امارت اسلامیہ افغانستان سے حرکتہ الجہاد الاسلامی کے سابقہ مجاہد ہونے کے علاوہ برما کی جہادی تحریک اور دینی تنظیم کی خلافتی سرپرستی کی نسبت سے بھی وابستہ ہیں، اس سفر میں ان کے ہمراہ ایک تو نائب امیر شیخ نور محمد صاحب تھے جو علالت کے باوجود عظیم ترین دینی مقصد کے لئے سفر کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے اور دوسرے مولانا جنید اللہ اختر صاحب تھے یہ بھی نوجوان عالمِ دین ہیں جامعہ اشرفیہ لاہور کے فارغ التحصیل ہیں، بنگلادیش کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جہاد افغانستان میں شریک رہے ہیں، آج کل مولانا عبدالقدوس مجاہد کے دست راست ہیں زندگی دین کے لئے وقف کر چکے ہیں مسلسل دینی سفر پر رہتے ہیں۔ جس سے دین کے لئے ان کے قلبی اضطراب کی عکاسی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ متعدد زبانوں پر عبور حاصل ہے ہر زبان اس روانی سے بولتے ہیں کہ سننے والا اسے

ان کی مادری زبان سمجھتا ہے پر جوش جذبات کے حامل ہیں اس لئے جلد غصے میں آ جاتے ہیں مگر ایمانی فطرت کی وجہ سے اسے زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھ سکتے خود نہایت مخلص ہیں اس لئے طبیعت کی سادگی اور صداقت کی وجہ سے دوسروں پر بہت جلد اعتماد کر لیتے ہیں ان حضرات سے ملتان میں یہ طے ہوا تھا کہ ہم ان شاء اللہ کوئٹہ کے راستے قندھار پہنچیں گے اور وہ ان تاریخوں میں قندھار میں ہمارا انتظار کریں گے مگر ہمارا پروگرام کوئٹے سے قندھار کی بجائے میران شاہ سے کابل کا بن گیا اگرچہ ہم نے ملتان سے ان کے کراچی مرکز میں ٹیلی فون کے ذریعے اپنے پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع تو کر دی تھی مگر یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ ان تک اطلاع پہنچی ہے یا نہیں، اطلاع پہنچنے کا علم ان سے یہاں ملاقات پر ہوا، ان حضرات سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی اور انہوں نے مہمان ہونے کے باوجود میزبانوں سے بڑھ کر ہمارا خیال رکھا۔ (فجزاھم اللہ احسن الجزاء)

کابل یونیورسٹی اور نظامِ تعلیم :

۱۳ ربیع الاول / ۲۸ جون بروز پیر صبح درسِ قرآن مجید کے کچھ دیر بعد ناشتہ کیا اور جناب امیر صاحب تشریف لے آئے پہلے انہوں نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے ہمارے لئے رہبر مقرر کر دیا مگر پھر ہمارے دل کی کیفیت چہرے کے تاثرات سے بھانپتے ہیں۔ اپنی مصروفیات کو محدود فرما کر خود ساتھ چلنے کا فیصلہ فرمایا، امیر صاحب نے ہمیں اپنے ساتھ کار میں بٹھالیا اور باقی حضرات کرائے کی گاڑی میں بیٹھ کر حرکتہ المجاہدین کے دفتر کی طرف روانہ ہو گئے، تاکہ باقی ساتھیوں کو وہاں سے ساتھ لے کر کابل یونیورسٹی پہنچ جائیں۔ یونیورسٹی شہر کے جنوبی جانب تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے کابل کا یہ مضافاتی۔ علاقہ پہلے علی آباد کہلاتا تھا، اس میں جمال الدین افغانی بھی مدفون ہیں جو ۱۲۵۴ھ بمطابق ۱۸۳۸ء / ۱۸۳۹ء میں کابل کے نزدیک کنڑ (konar) کے ضلع سعد آباد میں پیدا ہوئے، ہندوستان، ترکی، مصر، یورپ، ایران، روس، عراق، وغیرہ میں وحدت اسلامی کے لئے کام کرتے رہے اور نکالے جاتے رہے مارچ ۱۸۹۷ء میں ان کا قسطنطنیہ میں انتقال ہوا وہیں مدفون ہوئے پھر وہاں سے نکال کر جنوری ۱۹۴۵ء میں اس جگہ دفن کیا گیا۔ اور اب انکا مدفن کابل یونیورسٹی کے احاطے میں ہے۔

کچھ دوست گزشتہ سال بھی یونیورسٹی میں آئے تھے اور انہوں نے اس کے چانسلر مولانا پیر محمد روحانی صاحب سے تفصیلی نشست کی تھی اس بار مولانا روحانی تو مولانا محمد ارسلان رحمانی صاحب کے ساتھ کسی اجلاس میں مشغول تھے اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی البتہ جناب امیر صاحب کی وساطت سے ان کے دو معاونین سے نشست ہوئی گزشتہ اور موجودہ سال کی گفتگو کا حاصل یہ ہے:۔

- یونیورسٹی میں چانسلر، وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر وغیرہ کا کوئی رسمی تکلف نہیں ایک فرد ادارے کا سربراہ ہے وہی چانسلر بھی ہے اور وائس چانسلر بھی۔
- ایک مسلمان ملک کے دارالحکومت کے اتنے بڑے ادارے میں کوئی مسجد نہ تھی اب طالبان حکومت نے مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا ہے اور اسکے لئے دس ہزار ملین افغانی یعنی تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ پاکستانی

روپے منظور کئے ہیں۔

- یونیورسٹی میں غیر اسلامی شعبے، مثلاً مصوری، مجسمہ سازی اور موسیقی کو بند کر دیا گیا ہے
- مخلوط تعلیم ختم کر دی گئی ہے، طالبات کے لئے ابھی تک باقاعدہ متبادل نظام قائم نہیں کیا جاسکا کیونکہ محدود وسائل کی وجہ سے ان کے لئے باپردہ آمدورفت اور شرعی تعلیمی تقاضوں کا اہتمام نہیں کیا جا سکتا البتہ بعض مخیر اہل علم نے اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے علاقوں میں قریبی طالبات کی تعلیم کا انتظام کر رکھا ہے۔
- مخلوط عملہ ختم کر دیا گیا ہے وائس چانسلر کے دفتر میں اس سے پہلے کئی نوجوان لڑکیاں سیکرٹری، پی اے وغیرہ کے عنوان سے کام کرتی تھیں اب صرف دو مرد بطور معاون کام کر رہے ہیں اور کام اطمینان بخش ہو رہا ہے کیونکہ کام کرنے والے بھی مخلص ہیں اور کام لینے والے بھی خود کام کرنے کی قابلیت رکھنے کے علاوہ کام لینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔
- مخلوط تعلیم ختم ہو جانے کی وجہ سے یونیورسٹی میں خواتین اساتذہ کی ضرورت باقی نہیں رہی مگر سابقہ خواتین اساتذہ کو بے روزگار بھی نہیں کیا گیا انکی متبادل تدریسی ذمہ داری تک ان کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ وہ حجاب و نقاب کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے آتی ہیں اور مقررہ جگہ پر جمع ہو کر اپنی حاضری لگاتی ہیں اور پھر چلی جاتی ہیں اور ہر ماہ اپنی تنخواہ وصول کرتی ہیں۔
- یونیورسٹی کی لائبریری وسیع و عریض ہے مگر اس کی کتابوں کی ایک کثیر تعداد روس کے نکلنے کے بعد کی خانہ جنگی میں شیعہ تنظیموں کے ذریعے ایران منتقل ہو چکی ہے اور کچھ کتابیں پاکستان سمیت دنیا کے مختلف ملکوں کی لائبریریوں کی زینت بن چکی ہیں اور جو کتابیں موجود ہیں اُن پر بھی انقلاب زمانہ کے آثار نمایاں ہیں ان کو دیکھ کر اہل ذوق اس تصور پر تڑپ اٹھتے ہیں جس کی بربادی یہ ہے اس کی آبادی کیا ہو گی جس کا زوال یہ ہے اس کا عروج کیا ہو گا۔
- یونیورسٹی میں اس وقت تعلیم بی اے / بی ایس سی تک ہے ایم اے / ایم ایس سی کی کلاسیں ابھی تک بحال نہیں ہو سکیں۔
- تقریباً چھبیس زبانوں کی تدریس کا انتظام ہے مگر اس میں اردو زبان شامل نہیں۔
- یونیورسٹی کے اساتذہ ایثار کا پیکر ہیں گزشتہ سال ان کی تنخواہیں چار لاکھ تا پانچ لاکھ افغانی یعنی تقریباً پانچ سو روپے پاکستانی سے سات سو روپے پاکستانی تک تھیں اس سال تنخواہوں میں چار گنا اضافہ کیا گیا ہے یعنی اب تنخواہیں سولہ لاکھ سے بیس لاکھ تک ہیں اور یہ رقم پاکستانی کرنسی کے مطابق دو ہزار روپے سے اڑھائی ہزار روپے بنتی ہے۔ اس سال مزید اکیس اساتذہ کا تقرر کیا گیا ہے جس سے تعلیمی شعبے کی طرف طالبان حکومت کی توجہ اور دلچسپی اور اس کے ارتقاء کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔
- امارت اسلامیہ افغانستان میں ابتدائی سطح سے یونیورسٹی تک تعلیم مفت ہے۔
- کابل یونیورسٹی کے ہوسٹل میں چار ہزار دو سو طلبہ مقیم ہیں جن کے قیام طعام، کتب، اسٹیشنری

وغیرہ کے تمام اخراجات اور ان کے علاج کی سہولیات کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔

- تعلیمی زبان فارسی اور پشتو ہے۔
- امارت اسلامیہ میں دینی مدارس بالخصوص جہادی مدارس کثرت سے قائم کئے جا رہے ہیں اور دنیاوی تعلیم کے اداروں میں دینی تعلیم و تربیت کو لازمی جز کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔
- تعلیم کا پہلا مرحلہ بارھویں جماعت تک ہے اور اس کے بعد جو عالم دین بننا چاہتا ہے وہ دینی تعلیم کے ادارے میں داخل ہو جاتا ہے جو جدید علوم کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیتا ہے جو ڈاکٹر اور انجینئر بننا چاہتا ہے وہ متعلقہ اداروں کا رخ کرتا ہے۔
- بارھویں کے بعد جدید تعلیم کے جس شعبے میں بھی داخلہ لیا جائے اسلامی ثقافت کے عنوان سے دینی نصاب پڑھنا ضروری ہے یہ دینی نصاب: ۱۔ قرآن مجید کی تجوید، ۲۔ قرآن مجید کے مفہوم سے آگاہی، ۳۔ اسلامی عقائد، ۴۔ تقابلِ ادیان اور دین اسلام کی ترجیحی خصوصیات، ۵۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، وغیرہ عبادات کے احکام و مسائل، ۶۔ نکاح اور طلاق کے مسائل، ۷۔ چاروں فقہی مسلکوں کا مطالعہ اور فقہ حنفی کی امتیازی خصوصیات، ۸۔ دنیا کے مختلف معاشی نظام اور اسلام کے نظام معیشت کی فوقیت، ۹۔ دنیا کے مختلف سیاسی نظام اور اسلامی نظامِ خلافت کی فضیلت، ۱۰۔ اسلامی تاریخی اشخاص کل دس مضامین پر مشتمل ہے۔
- اگر کوئی طالب علم اسلامی ثقافت کے مضمون میں ناکام ہو جائے چاہے اپنے مضمون میں امتیازی پوزیشن ہی کیوں نہ حاصل کر لے وہ بحیثیت مجموعی ناکام تصور ہوتا ہے اسے از سرِ نو پورا امتحان دوبارہ دینا پڑتا ہے اور اگر اسلامی ثقافت کے مضمون میں کامیاب ہو جائے اور متعلقہ مضمون میں ناکام ہو جائے تو صرف متعلقہ مضمون میں ناکام تصور ہو گا اور دوبارہ تیاری کر کے اس کا ضمنی امتحان دے سکتا ہے ذمہ دار افراد کا کہنا یہ ہے کہ اگر ایک آدمی دنیاوی علوم میں باکمال ہو جائے اور اسے وضو اور غسل کے فرض معلوم نہیں چاہے وہ زندگی بھر نماز پڑھتا رہے اس کی تو ایک نماز بھی قبول نہ ہو گی اور مرنے کے بعد قبر میں ریاضی، کیمیا، طبیعات کے سوالات نہیں ہوں گے دین کے بارے میں سوالات ہوں گے اور ان سولات میں ناکامی پر جہاں ناکام ہونے والا قابلِ سزا ہے وہاں اس کے اساتذہ اور تعلیمی نگران بھی جواب دہ ہوں گے۔
- امتحانات کے لئے کوئی بورڈ نہیں ہر ادارہ خود امتحان لیتا ہے اور سند دیتا ہے جس ادارے میں داخلہ لینا ہو وہ مطلوبہ اہلیت جانچنے کے لئے سابقہ ادارے کی سند پر انحصار کرنے کی بجائے خود امتحان لیتا ہے گویا کہ سابقہ سند داخلے کی اہلیت کی بجاے امتحان دینے کی اہلیت کا ثبوت ہے۔

یونیورسٹی میں وہاں کے ایک استاد جناب مختار صاحب سے ملاقات ہوئی جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ سابقہ دور میں یہ یونیورسٹی کے اُن اساتذہ میں سے تھے جو طلبہ میں دین سے نظریاتی وابستگی قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے اندرونِ خانہ کوشاں رہے، اس "جرم" پر انہیں دس سال کی سزائے قید دی گئی پانچ سال پورے ہوئے تھے کہ طالبان کی حکومت آ گئی اور متعدد ناحق قیدیوں کے ساتھ یہ بھی رہا کر

دئے گئے اور ان کی ملازمت بھی بحال ہو گئی، فارسی اور انگریزی دونوں زبانوں میں رواں گفتگو کی مہارت رکھتے ہیں البتہ اردو سمجھ لیتے ہیں مگر روانی سے بول نہیں سکتے۔

کمیونسٹ نظام حکومت میں عوام جانوروں سے بھی زیادہ بے اختیار و مجبور ہوتے ہیں اور انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی مگر افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب سے بہت پہلے امان اللہ خان کے دور کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ وہ ایک بار جلال آباد میں جیل کے معائنے کے لئے تشریف لے گئے تو ایک قیدی نے رو کر درخواست کی میں ناحق قید ہوں مجھے رہا فرمادیں غازی مرحوم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص جرم بست ویک میں قید ہے انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ اس کا کون سا جرم ہے بتایا گیا پولیس اکیس قیدیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہی تھی کہ ان میں سے ایک قیدی فرار ہو گیا بہت تلاش کیا مگر نہ ملا بست ویک (اکیس) کی نفری پوری کرنے کے لئے اس شخص کو ان قیدیوں میں شامل کر لیا گیا جو کہ دھوبی ہے اور بدقسمتی سے اس وقت اپنے گدھے پر کپڑے لادے وہاں سے گزر رہا تھا اور تین سال سے اندر پڑا ہے۔ غازی مرحوم نے اسے فوراً رہا کرنے کا حکم دیا۔ اگرچہ اس کی رہائی تو عمل میں آ گئی مگر نظام کی خرابی کی وجہ سے نہ تو اس کیفیت کی تلافی ہو سکی جو اس تین سالہ جدائی میں اس کے گھر والوں پر قیامت بن کر گزرتی رہی اور نہ ہی اس کی ذہنی اذیت اور جسمانی مشقت کا تدارک ہو سکا جس میں وہ شب و روز پستا رہا اور نہ ان افراد کو سزا ملی جو اس کے تین قیمتی سالوں کے ضیاع کے ذمہ دار تھے، یہ خرابی شخص نظامِ حکومت کے مقابلے میں اس جمہوری نظامِ حکومت میں کہیں زیادہ پائی جاتی ہے جو پولیس کے سہارے پر چلتا ہے، جس میں ماورائے عدالت قتل روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے نشۂ اقتدار میں بدمست حکمرانوں کو یہ خیال بھی نہیں رہتا کہ ہو سکتا ہے کہ کل خود میری اولاد کسی فرضی پولیس مقابلے کی بھینٹ چڑھ جائے اور اگر بالفرض دنیا میں مکافاتِ عمل سے بچ بھی گیا تو قیامت کے دن جہاں کوئی دھوکا اور پروپیگنڈہ نہیں چل سکے گا اس خون کی ذمہ داری سے کیسے بچ سکوں گا۔

قریب ہے یارو! روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا　　(جاری ہے)

بقیہ از ص 22

مجھے زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کو سمجھ رہا ہوں تو اللہ زیادہ انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ تم کسی بے قصور کو (شبہ) میں قتل کرو (البدایہ والنہایہ صفحہ ۴۲ ج نمبر ۸ بحوالہ المرتضیٰ صفحہ ۳۵۵،۳۵۶

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی کے متعلق بھی یہ نہیں کہا اس نے مجھے زہر دیا ہے۔